ڈھول کا پول

نوید ظفر کیانی

طنز و مزاح پر مبنی کلام کی برقی کتاب

ڈھول کا پول

نوید ظفر کیانی

www.facebook.com/nzkiani

www.naveedzafarkiani.wordpress.com

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	ڈھول کا پول۔
شاعر	نوید ظفر کیانی۔
وضاحت	یہ نوید ظفر کیانی کے طنز و مزاح پر مبنی کلام کا دوسرا مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔
کاپی رائٹ	جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ۔
اجازت	اس کتاب کو حوالہ جات یا غیر کاروباری نقطۂ نظر سے استعمال کیا جاسکتا ہے یا اس کی شراکت کی جاسکتی ہے تاہم اس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ یا اس کی شکل تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے لئے شاعر کی پیشگی اجازت ضروری ہے۔
صفحات	۱۵۶
سالِ اشاعت	۲۰۱۴ء
سنِ اضافہ	۲۰۱۴ء
پبلشر	نوید ظفر کیانی.
ویب سائٹ	www.naveedzafarkiani.wordpress.com
فیس بک	www.facebook.com/nzkiani

ترتیب

مرے سر کی قسم کھانے لگے ہیں
یقیناً جھوٹ فرمانے لگے ہیں

وہیں سے کار اکثر کھانستی ہے
جہاں تیرے پلگ پانے لگے ہیں

یہ دل آمادۂ تردید کیوں ہو
تمہارے نام کے طعنے لگے ہیں

قیامت کو بھی جاسوسی کرو گی
مرے شوہر کہاں جانے لگے ہیں

اِدھر بٹوہ ہے خالی سر کی طرح
اُدھر وہ ناز فرمانے لگے ہیں

معزز ہو گئے ہم سے زیادہ
وہ جن کے واسطے تھانے لگے ہیں

جوانی میں رہے ہیں خاصے حضرت
جوانوں کو جو سمجھانے لگے ہیں

یوں ہم تم خوگرِ کذب و ریا ہیں
کہ سچ کہنے میں ہکلانے لگے ہیں

کوئی شرما سکے کیسے کسی کو
ہمیں دنیا میں سب کانے لگے ہیں

ظفر پختہ ہے منزل کا ارادہ
مگر فی الحال لنگڑانے لگے ہیں

معتبر آپ کا لارا ہی نہیں ہے ہائے
مجھ کو شیشے میں اتارا ہی نہیں ہے ہائے

آپ کی جھیل سی آنکھوں میں اتر تو جاؤں
کسی تنکے کا سہارا ہی نہیں ہے ہائے

تیرے معیارِ وجاہت کو وہ کیسے پہنچے
صورتِ آلو بخارا ہی نہیں ہے ہائے

ڈیٹ پہ ڈیٹ دیے جاتا ہے حسنِ کافر
اتنا نزدیک ہزارا ہی نہیں ہے ہائے

شبِ یلدا مری قلفی بھی بنا سکتی ہے
تیرے غرفے سے اشارہ ہی نہیں ہے ہائے

جو مری شامتِ اعمال کا منشاء ٹھہرا
تیرے ابے کو گوارا ہی نہیں ہے ہائے

اُس کو شادی کی مصیبت سے بچائے رکھیں
اِتنا ماں باپ کو پیارا ہی نہیں ہے ہائے

آج کا قیس تو شیریں کو بھی دل دے بیٹھا
صرف لیلیٰ پہ گزارا ہی نہیں ہے ہائے

حضرتِ شیخ بھی میموں پہ فدا ہیں لیکن
کوئی اسکرٹ غرارا ہی نہیں ہے ہائے

حسن کہتا ہے کہ عاشق کا بھی منہ متھا ہو
یہ فقط خواب ہمارا ہی نہیں ہے ہائے

تین حرفوں میں چکا بیٹھے ہیں سودا اپنا
اپنی ہستی پہ اجارا ہی نہیں ہے ہائے

اپنی بیوی کو میں ناراض نہیں کر سکتا
کسی ہوٹل سے ادھارا ہی نہیں ہے ہائے

نئی تہذیب کے انڈے بھی ہیں گندے سارے
اِک معیشت کا خسارا ہی نہیں ہے ہائے

اُس چغد کو بھی میسر نہیں لیڈر بننا
اسٹرائیک پہ ابھارا ہی نہیں ہے ہائے

روکھی سوکھی سی یہ پکچر نہیں دیکھی جاتی
انجمن انجمن آرا ہی نہیں ہے ہائے

جو پے جاب تجربے کی سند بھی دے دے
ایسا تعلیمی ادارا ہی نہیں ہے ہائے

اِک ذرا اونچے گریڈوں کے افق پر چمکے
میری قسمت کا ستارا ہی نہیں ہے ہائے

کشتیء زیست کی آوارگی تسلیم مگر
ہاتھ میں کوئی شکارا ہی نہیں ہے ہائے

ہوسِ زر کے جراثیم بڑھے جاتے ہیں
اِس سمندر کا کنارا ہی نہیں ہے ہائے

چیٹنگ

چیٹنگ کا بھی چسکہ ہے کیا خوب ظفرؔ
اِس نے سب کے منہ کو خون لگایا ہے
ناصح سے کیا حالِ دل کہا جائے
کانوں سے موبائل فون لگایا ہے

ہار

ضد پہ آ جاتی ہے تو بیگم کبھی ٹلتی نہیں
خود سے لوٹا ہو کے میں ہر بار اُس کا ہو گیا
جانا پہچانا ہوا انجام اب کے بھی ظفرؔ
ہار میری ہو گئی اور ہار اُس کا ہو گیا

لیڈرانِ قوم کو قومی زباں آتی نہیں
عقد ہے جمہوریت سے اور ہاں آتی نہیں

پوچھ لیں دنیا جہاں کی ''الف لیلائیں'' مگر
جس کے خود کردار ہیں وہ داستاں آتی نہیں

فون کر دیتی ہے میری ساس کہ آتی ہوں میں
شامتِ اعمال تو اب ناگہاں آتی نہیں

بیویوں کے نام پر استانیاں ہیں دستیاب
کلجگِ نو میں کوئی ''اللہ کی گاں'' آتی نہیں

پھر مجرد زندگی ہے اور ہم ہیں دوستو !
کیا کریں میکے سے ہی منے کی ماں آتی نہیں

جھوٹ کے بارے میں استفسار پر کہنے لگے
یہ بجٹ والی زباں مجھ کو میاں آتی نہیں

ہم تو ہیں چشمِ براہ لیکن وہی سیمیں بدن
اب محلے میں پئے دیدہ وراں آتی نہیں

جس میں برخوردار کا آئیڈیل ہو وہ کڑی
برسرِ گیتی یا زیرِ آسماں آتی نہیں

چوپتا رہتا ہے گنے کھیت میں بیٹھا ہوا
اب مگر مرزے سے ملنے صاحباں آتی نہیں

بی پڑوسن کو وہ ماسی شربتے نے ڈوز دی
اب زمانے کو بتانے رازداں آتی نہیں

ناخدا کو دیکھئے محمل سے چھومنتر نہ ہو
رہروؤں کے نام گردِ کارواں آتی نہیں

بیوٹی پارلر ہے کہ کوئی چشمۂ آبِ شباب
کون سی بڑھیا ہے جو ہو کر جواں آتی نہیں

بیس برسوں سے وہی سولہ برس کی ہے ظفرؔ
میری بیوی کی عمریا میں خزاں آتی نہیں

ہم نے انکل سام کو ماما سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟
وہ تو فل اسٹاپ ہے کاما سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟

روٹھنے کی دھمکیوں سے بھر دیا ہے یار نے
جانے اِس چالان کو نامہ سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟

آ کہ اِک دوجے سے ہم پنجے لڑائیں ہم نفس !!
امنِ عامہ کو غمِ عامہ سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟

پاپ سنگر ہے جو گانا گا رہا ہے امن کا
گرمئ محفل کو ہنگامہ سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟

ماڈرن ہوں کس قدر، اُن کو کوئی دے دے خبر
میری پتلونوں کو پاجامہ سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟

دل یہ پاگل دل مرا ، بن کر لہو بہنے لگا
چشمِ تر کو ''نہرِ پانامہ'' سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟

ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتے شاعرو! کچھ تو کہو!!
عشق کو ہی زیست کا جامہ سمجھ رکھا ہے کیوں ؟؟

پہلوان

دو پہلوان گتھم گتھا پڑے ہوئے تھے

اُن میں سے ایک باہر آپے سے ہو رہا تھا

بولا یہ ریفری کہ یوں ٹانگ نہ مروڑو !

وہ پہلوان بولا ’’ تم آج مجھ کو چھوڑو !!

میں آج اِس کی ٹانگوں کو توڑ موڑ دوں گا ‘‘

بولا یہ ریفری کہ غصہ بجا تمہارا

آنکھوں کو کھول کر تو دیکھو ذرا دوبارا

یہ ٹانگ ہے تمہاری اپنی‘ اِسے تو چھوڑو !!

ڈیڑھ پسلی پہ ماس کیا آوے
زندگی ہم کو راس کیا آوے

سب کو ہے التفات کا دعویٰ
حسن کرنے کو ٹاس کیا آوے

اپنا دل ہے سمندِ مستانہ
اپنے ہاتھوں میں راس کیا آوے

چوڑیاں ہیں خراب بھیجے کی
کوئی لے کر پلاس کیا آوے

نرا کیدو ہے آپ کا درباں
یہاں غالبؔ شناس کیا آوے

مصلحت بین ہیں مرے جذبے
ایسے بزنس میں لاس کیا آوے

ٹھونس دے گا حلق حلق غزلیں
کوئی شاعر کے پاس کیا آوے

نسخہ

دل کی تسکین بھی ہو جاتی ہے معدے کی طرح
چائے کے ساتھ اگر بات بنانا سیکھے
کامیابی اُسی بیوی کا مقدر ہو گی
خود کو جو ملکۂ جذبات بنانا سیکھے

چاندرات

دیکھا ہے ان کو موج میں ہر چاندرات کو
موقع سے فائدہ تو اُٹھاتے ہیں نوجواں
کڑیوں کے ہاتھ تھامنے کے شوق میں ظفرؔ
اسٹال چوڑیوں کے لگاتے ہیں نوجواں

(ایک معروف فلمی گیت کی پیروڈی)

تیرے لئے او جانِ جاں رزقِ ہوائی لائیں گے
یوں نہ کیا تو کس طرح نخرے ترے اُٹھائیں گے

سوچا نہ تھا کہ دہر میں ایسے بھی ہوں گے ڈاکٹر
دے کے دوائے دردِ سر دنیا سے ہی بھگائیں گے

کس کو خبر تھی وہ کڑی ہو گی کوئی بروس لی
اپنے تمام دست و پا پٹیوں میں ڈوب جائیں گے

یہ دیکھیں رائے کیا رکھتی ہے ممی
مرے پپا کو سمجھیں ایک ڈمی

سبھی کو کر دیا مقتول ماسی !
کڑی تو نے بڑی آفت ہے جمی

وہ منہ متھے کے بس یونہی ہیں لیکن
دلوں میں ڈالتے رہتے ہیں کمی

یہ کیسی نسل پیدا ہو رہی ہے
نہ کوئی مس ہے نہ کوئی مسمی

جو دن بھر مارتا رہتا ہے مکھیاں
اُسے بیوی لگے کیوں نہ نکمی

یہ اُس کے ڈانٹنے پر ہی کھلے گا
وہ کس کی ساس ہے اور کس کی امی

پلنگ آباد کے باشندگاں میں
کمینے ہیں اگر ہیں آپ کمی

یہ بازی تا بہ کے جاری رہے گی
جواری وقت سے کھیلیں گے رمی

یہی دو چار سو مصرعے کہے ہیں
غزل لکھتا نہیں ہوں خاص لمی

موٹر سائیکل

ہائے کم ظرف ہے کس قدر
ایک بندے کو لے جا رہی ہے مگر
شور کتنا مچا رکھا ہے
آسماں جیسے سر پر اُٹھا رکھا ہے

یوں دریار سے مجھ کو ٹالا گیا
روس کابل سے جیسے نکالا گیا

کیسے کیسے تھے ارمان دل میں مگر
پٹ پٹا کے ترا چاہنے والا گیا

ہر جگہ مجھ کو کچی سے پکڑا گیا
ہر جگہ دے کے میرا حوالہ گیا

--ق--

کام آئی نہ کرسی نشیں کی ہوس
آپ نکلا نہیں تو نکالا گیا

لاکھ ایفی لگائی ہے تشریف پر
جانے والا مگر لا محالہ گیا

بات تو نے سہولت سے کہہ دی مگر
میرے سینے کے اندر تو بھالا گیا

چھوڑ کر جب ستمگار جانے لگا
تو لگا کر مرے دل میں تالا گیا

کیا کہوں جب سے آٹے کے بھاؤ سنے
کس طرح میرے منہ میں نوالہ گیا

کوئلے کی ہے دلالی یا لیڈری
جو بھی آیا ہے منہ کر کے کالا گیا

میں ہی چھوڑ آیا ہوں اپنے گھر بار کو
ساس ٹالی گئی ہے نہ سالا گیا

میرے کتے نے بھونکی جو منطق ظفرؔ
تیرے طوطے سے بولا نہ چالا گیا

لیس مین

دیکھو تو چاپلوسیاں سب کا مزاج ہیں
سوچو تو ارتقاء کا یہی ایک بھید ہے
مرضی اگر ہے اُس کی تو باور ہمیں بھی ہے
افسر نے کہہ دیا ہے تو کوا سفید ہے

آہستہ آہستہ

مجھے معلوم ہے کہ جلد بازی کارِ شیطاں ہے
یونہی مت دانت پیسو بیٹھ کر آہستہ آہستہ
ظفرؔ یہ اومنی بس ہے ٹکے رہنا تحمل سے
"چلے تو کٹ ہی جائے گا سفر آہستہ آہستہ"

درزی

وارداتی تھا کوئی درزی بہت

کام کر کے گاؤں میں دو چار دن
ہاتھ اُس کے جو بھی آیا' لے گیا
سب جمع ہو ہو کے گنوانے لگے
وہ ستمگر کس کا کیا کیا لے گیا

رو رہا تھا ایک میراثی بہت

گاؤں والوں نے یہ پوچھا کیا ہوا
کیا تمہارا بھی وہ کپڑا لے گیا
اِس پہ میراثی نے چلا کر کہا
جی نہیں' وہ ناپ میرا لے گیا

ٹھینگا پریڈ

روٹی کمانے کے لئے کیا کیا چلے چکر یہاں
کوئی مداری بن گیا کوئی بنا جوکر یہاں
سب نے ہی کچھ نہ کچھ کیا
کچھ بھی نہ مجھ سے ہو سکا
انٹر کی کالی ماتا بھی کچا چباتی ہی رہی
انگلش میں میری ہر دفعہ کمپارٹ آتی ہی رہی
یوں مدتوں لٹکا رہا
کچھ بھی نہ مجھ سے ہو سکا

پیری مریدی ٹھیک تھی اِس میں بھی پیسہ کم نہیں
بہروپیا پن چاہیۓ باقی تو کوئی غم نہیں
اسمارٹ میں اِتنا نہ تھا
کچھ بھی نہ مجھ سے ہو سکا
یوں تو ہوں خاصا بے سرا پھر بھی کبھی گایا نہیں
کیوں پاپ سنگنگ کا خیال مجھ کو کبھی آیا نہیں
میں بے ہنر ہی رہ گیا
کچھ بھی نہ مجھ سے ہو سکا
کڑیاں سبھی چالاک ہیں تدبیر کرتا ہوں یونہی
بیکار لفظوں کے محل تعمیر کرتا ہوں یونہی
کس نے ہے اِس میں جھانکنا
کچھ بھی نہ مجھ سے ہو سکا

کہنا یہ چاہتا تھا کہ جھڑنا قبول ہے
منہ سے نکل گیا مجھے مرنا قبول ہے

بٹوہ اچک نہ لے تو تری ''شاپنگیں'' بجا
کھینچے نہ کھال تو یہ سنورنا قبول ہے

پہلے ہی آپ ''عابدہ پروین'' بن چکیں
کیسے کہوں کہ آپ کا چڑنا قبول ہے

وہ شوخ آ رہا ہے عیادت کے واسطے
اب تو مرض کا حد سے گزرنا قبول ہے

پردے کا اہتمام تو ہوتا ہے کچھ نہ کچھ
گیسو کا تیرے رخ پہ بکھرنا قبول ہے

رشوت سے اُن کی نہ نہ تو یکسر فریب ہے
یہ لن ترانیاں ہیں وگرنہ قبول ہے

جی مشکلوں میں چھوڑنا مردانگی نہیں
لیکن بجٹ کے بھوت سے ڈرنا قبول ہے

مانع ہے وصل میں تیرا کتا تو کیا ہوا
کھڑکی کے راستے سے گزرنا قبول ہے

آیا ہے کیسا وقت کہ کوئی سزا نہیں
ہر اک گدھے کا شاعری کرنا قبول ہے

عشق بازی عقد کے گرداب میں بھی آ گئی
بن کے تلخی زیست کے اسباب میں بھی آ گئی

جس نے درجن بھر جوانوں کو بنایا تھا گدھا
آج کل میرے دلِ بیتاب میں بھی آ گئی

حسنِ کافر اُن کو بھی لے آیا راہِ راست پر
دلنوازی خوئے شیخ و شاب میں بھی آ گئی

جس کو نہ آنے کے آتے تھے بہانے سینکڑوں
آج بہہ کر موجۂ سیلاب میں بھی آ گئی

دمبدم رہتی ہے ٹوہ میں زوجۂ شکی مزاج
رات میرے پیچھے میرے خواب میں بھی آ گئی

کس سہولت سے مجھے اُس نے چھوہارا کہہ دیا
حق پرستی کی وبا القاب میں بھی آ گئی

باپ نوسر باز تھا بیٹا بھی ڈاکو بن گیا
بات جو رستم میں تھی سہراب میں بھی آ گئی

افسروں کی چاپلوسی ڈھیٹ کتنا کر گئی
اب یہ چکناہٹ مرے اعصاب میں بھی آ گئی

کل کی دعوت میں کمانڈو ایکشن کی دیر تھی
مرغ کی اِک ٹانگ میرے قاب میں بھی آ گئی

یار لوگوں نے سفارش کو مقدم کر دیا
وہ جسے میرٹ کہیں اُس باب میں بھی آ گئی

ہم کلرکوں کو سمجھتا ہے کہ کوئی چھوت ہیں
خاصیت گورے کی کالے صاب میں بھی آ گئی

وہ جو گندا ذہن کو جذبِ شرافت سے کرے
آج وہ مچھلی مرے تالاب میں بھی آ گئی

آپ کہتے ہیں جسے دولت کی دولتی ظفرؔ
اب سنا ہے یار کے آداب میں بھی آ گئی

المیہ

اب بہم شیر و شکر بندہ ہے نہ بندہ نواز
فرقہ فرقہ ہو گیا ہے وحدتِ ملت کا ناز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوں خاک محمود و ایاز
اپنی اپنی مسجدوں میں جا کے پڑھتے ہیں نماز

بکرے کی جے

عاشقوں کو لطف ملتی ہے کہاں
اِن دنوں بکرا ہے جو دلدار ہے
عیدِ قرباں پر تو لگتا ہے ظفؔر
ہر کوئی بکرے کا رشتہ دار ہے

بیوی ہے وکھرے ٹائپ کی
غلطی ہے وکھرے ٹائپ کی

گھر داماد کا جیون بھی
سولی ہے وکھرے ٹائپ کی

بٹتی ہے جو چھوہاروں میں
تلخی ہے وکھرے ٹائپ کی

آج شرافت کو جانو
گالی ہے وکھرے ٹائپ کی

زیست ملی تھی دو روزہ
وہ بھی ہے وکھرے ٹائپ کی

بڑے بڑے بنگلوں میں بھی
تنگی ہے وکھرے ٹائپ کی

اب تو محبت ہوئی فلرٹ
یعنی ہے وکھرے ٹائپ کی

میں بھی ہوں قیسِ عصرِ نو
تُو بھی ہے وکھرے ٹائپ کی

حسنِ مجسم اللہ ہُو !!
قلفی ہے وکھرے ٹائپ کی

میک اپ اُترا تو دیکھا
گوری ہے وکھرے ٹائپ کی

آج سنائی ہے جو غزل
کیسی ہے وکھرے ٹائپ کی

(نصیر ترابی کی غزل کی پیروڈی)

لوگ جب اپنی سناتے ہوں گے
ناک بھوں آپ چڑھاتے ہوں گے

راستے ختم کہاں ہوتے ہیں
یونہی سسرال کو جاتے ہوں گے

تو ہی ہر سو نہیں "ٹی سی برپا"
ہم بھی پیچھے نظر آتے ہوں گے

خشک نلکوں سے پریشاں ہو کر
لوگ پیپسی سے نہاتے ہوں گے

قرض لے کر نہیں دیتے اکثر
ہم تجھے بھول بھی جاتے ہوں گے

جن کو کھانا ہے وہ کھا پی لیں گے
ہم فقط گالیاں کھاتے ہوں گے

ہتھ تیرا رقیب نے ہی نپا
اپنا تو نصیب رولا رپا

پوچھے تو کوئی یہ عاشقوں سے
شرفاء میں روا ہے ڈھول دھپا؟

وہ جس نے ادھار دے دیا تھا
کھیسا بھی مرا اُسی نے کپا

اک وہ کہ سدا اڑنگیاں دے
اک میں کہ اُسی کا نام جپا

مجنوں نے تو باندھ لی ہے پونی
اور گیسوئے لیلیٰ ایک چپا

کس واسطے ڈگریاں کمائیں
میں ٹھیک ہی دفتروں میں کھپا

کہنے کو تو کم نہیں تھے لیڈر
لے مار لے ڈنگ تو بھی سپا

اسٹیڈیم بن گیا محلّہ
ذوجین میں چل رہا ہے ٹپا

اب بزم میں چھپائے جا کر
مکو ہی ظفر کا اس نے ٹھپا

آج نہ آیا تو اِس جاں کا خسارہ دیکھنا
دل کہاں سینے میں اب آلو بخارہ دیکھنا

یوں کسی کے دل میں اپنے واسطے ڈھونڈوں جگہ
جس طرح دنیا کے نقشے میں ہزارہ دیکھنا

اب بجز ابنِ بطوطہ کون کر پائے گا سر
اُن کا دل ہے صورتِ دشتِ صحارا دیکھنا

وہ ٹریفک کا سپاہی ہے کہ دل والا کوئی
کون کرتا ہے سرِ راہے اشارا دیکھنا

جن کے پیچھے ہم نے کھویا دوسروں کا اعتبار
اب وہی فرماتے ہیں ''بے اعتبارا'' دیکھنا

سوچنا کہ یہ کریں گے وہ کریں گے اور پھر
زندگی بھر زندگی کا گوشوارہ دیکھنا

ہم کو بھی حق بات کی سوجھی ہے کیسے دور میں
جڑ دیا ہے وقت نے جھانپڑ کرارا دیکھنا

اس قدر پھونکیں نہ مارو بھولی بھالی خواہشو
پھٹ نہ جائے میری قسمت کا غبارہ دیکھنا

ہم تو سننا چاہتے تھے ایک چھوٹی سی غزل
تم نے تو دیوان سارا کھینچ مارا دیکھنا

بدنصیبی

ہر وہ کہ جس کو سچ کی ولائت عطا ہوئی
انصاف کے کٹہرے میں کیا کیا ذلیل ہے
ابلیس اپنے واسطے اچھا وکیل ہے

جسے پیار سے چاند کہتا رہا
وہ ظالم مجھے داند کہتا رہا

مرے گھر میں آ کر مرے باپ سے
"کسی کلّے سے باندھ" کہتا رہا

ترا حسن ہے بلب کس واٹ کا
کہ مہتاب کو ماند کہتا رہا

میں عرضِ تمنا پہ ہکلا گیا
بہت مجھ سے ژوں ژاند کہتا رہا

مری چھٹی حس نے بچایا مجھے
وہ "دیوار تو پھاند" کہتا رہا

مری اُردو دانی پہ ہے خندہ زن
جو خود پان کو پاند کہتا رہا

تھی مجبوریء تنگیِ قافیہ
چنانچہ اُسے چاند کہتا رہا

پوائنٹ یہ سخت ہے

اکیسویں صدی کے تقاضے عجیب ہیں
رپھڑے میں والدین ہیں کیا بہتری کریں
بچے تو چاہتے ہیں پئے پرورش ظفرؔ
بچوں کی نفسیات میں پی ایچ ڈی کریں

الفت

الفت خوش انجام جو ہو
اس کا عقد مقدر ہے
گویا کہ یہ جذبہ بھی
خودکش حملہ آور ہے

موسیقار

میں سمجھا تھا مرا بیٹا
غسلخانے میں گانا گا رہا ہے پاپ ٹائپ کا
مگر جا کر وہاں دیکھا
تو کیا دیکھا
غرارے کر رہا تھا وہ

خوب ٹی وی نے دکھائی رہگذر
ہر کوئی جانے لگا بلو کے گھر

تجھ کو چاہا تو دعا کی ہے یہی
ہر شکر خورے کو مل جائے شکر

دیدیا ہے دل تجھے، غلطی ہوئی
کیا کروں آخر کو ہوں بندہ بشر

ہے عبث اس میں شرافت ڈھونڈنا
جس میں بوئے شر نہ آفت کے کلر

آپ کے فادر ہیں کیوں ڈنڈا لئے
آئی وانا وش یو ہپی نیو ائر

لے اڑا میری منگیتر کو وہی
میں جسے کہتا رہا اپنا جگر

لب پہ اُردو ہے نہ منہ میں پان ہے
کاہے توسے لڑ گئی موری نجر

کیا کہا کہ دی نہ لی رشوت کبھی
زندگی کس قبر میں کی ہے بسر

-ق-

کس طرح حالات میں ہو بہتری
ہر کسی کا زور ہے اِس بات پر

مجھ کو مل جائیں مرے سارے حقوق
جان چھٹ جائے فرائض سے مگر

ہم بھی بیٹھے ہیں تخلص پال کے
آپ شاعر ہیں تو ہم بھی ہیں ظفر

میں تھاں مرجانی آں

وہ جب بھی فون کرتا ہے' میں تھاں مرجانی آں ہائے
دسمبر جون کرتا ہے' میں تھاں مر جانی آں ہائے

گھڑی اور منہ پہ جب بارہ بجیں تو فون بجتا ہے
سبھی گھر والے لمبی تان لیں تو فون بجتا ہے
یہ کم کیا سون کرتا ہے' میں تھاں مر جانی آں ہائے

کسی جن کی طرح چھایا رہے وہ میری سوچاں میں
میں باری مار بھی دوں پھر بھی آ جائے خیالاں میں
وہ یوں شب خون کرتا ہے' میں تھاں مر جانی آں ہائے

کبھی ریما ، کبھی میرا کبھی ریشم کہے ماہی
اگرچہ سانولی ہوں میں مگر پھر بھی مجھے ماہی
مثالِ موں کرتا ہے، میں تھاں مر جانی آں ہائے

مرے ویروں سے ڈرتا ہے سو ملنے آ نہیں سکتا
رقیبوں «ساجے ماجے» سے بھی دو ہتھ کھا نہیں سکتا
شکر کو لون کرتا ہے، میں تھاں مر جانی آں ہائے

نشہ عشقے کا چڑھتا ہے تو دل کی اگ میں سڑتا ہے
بہت بےچین ہوتا ہے تو مجھ پہ شعر گھڑتا ہے
مجھے مضمون کرتا ہے، میں تھاں مر جانی آں ہائے

وہ ایم ایس این پہ آئے تو خوشی سے پھول جاتی ہوں
کرے یکلخت ہائے تو خوشی سے پھول جاتی ہوں
الف کو نون کرتا ہے، میں تھاں مر جانی آں ہائے

ثلاثیاں

تمہیں مرغوب ہے گردن کی یخنی
بڑے ہی شوق سے پیتے ہو پیارے
تو لیڈر کیوں نہیں بنتے ہمارے

بیانوں میں ہے دعوت شانتی کی
لبوں پر رام کا جاری وظیفہ
بغل میں کس قدر چھریاں ہیں توبہ

سیاستدان نے لوٹا وطن کو
تو پکڑے جانے پر کیوں بے مزہ ہو
کہ چھٹ جائے گا آخر ڈیل کر کے

چلے ہیں نوجواں سارے ہی باہر
حکومت کو بھی ہے تشویش اس پر
یہیں پر کیوں نہیں مرتے ہیں بھوکوں

جھکے جب بھی یہودی عاجزی سے
کڑی نظروں میں رکھ لینا تم اُس کو
مبادا بم نہ کوئی نصب کردے

رہی ہر سال ہم کو اپنی مستی
کبھی پچھلے برس کی غلطیوں سے
سبق سیکھا نہیں ہے بھول کر بھی

دھیرج

ٹھیک کہتے ہو سخن گوئی ہے کارِ بیکار
نہیں رکھا یہی بے فیض حوالہ میں نے
کام کی بات بھی کرتا ہوں قلم سے اپنے
اِس سے شلوار میں ناڑا بھی تو ڈالا میں نے

قومی سیاست

اب ہمارے پاس اِس کے واسطے
بے نیازی کے سوا کچھ بھی نہیں
اِن دنوں قومی سیاست بھی ظفرؔ
نعرہ بازی کے سوا کچھ بھی نہیں

آیا ہے جب سے ساس کا لشکر، کہے بغیر
گھر، گھر دکھائی دیتا نہیں گھر کہے بغیر

بک بک ہے آپ سے کبھی جھک جھک ہے آپ سے
سو لگتا ہوں میں آپ کا شوہر، کہے بغیر

اُس نے ہماری قرب کی خواہش کو دیکھ کر
فوراً بنا لیا ہمیں شوفر، کہے بغیر

ایسا نہ ہو کہ کوئی تجھے توڑ پھوڑ دے
چشمے میں ڈھانپ دیدۂ مضطر کہے بغیر

افسر سے ڈیل ٹھہرے یا بابو سے کام ہو
دفتر میں بات بنتی نہیں ''سر'' کہے بغیر

کتنا بدل گیا ہے مرے یار بے وفا
کیسے جتا سکوں تجھے لیڈر کہے بغیر

کرتے ہیں یار لوگ گدھے پر جو گفتگو
شاعر کا تذکرہ ہے سراسر کہے بغیر

آخر اسی نے دی ہے اڑنگی کہ جو ظفر
لیتا نہیں تھا نام برادر کہے بغیر

آئے بجٹ ہر سال برابر
کھینچے اپنی کھال برابر

ہم کو دیتے ہیں تھالی میں
اپنے آگے تھال برابر

ہونٹوں پر اخلاص کے دعوے
ہاتھوں میں ہیں جال برابر

سر پر چپتیں مار کے ظالم
پوچھ رہے ہیں حال برابر

بینک بھرے ہیں فاضل خاں کے
پھجا ہے کنگال برابر

کس سے ٹیوننگ کرواتا ہے
تو ہے جس کے نال برابر

بڑھتی جاتی ہے آبادی
انسانوں کا کال برابر

کیسی بھی ہو چیز وطن کی
گھر کی مرغی دال برابر

قوم کا غم بھی روگ بنا ہے
پھولے پھولے گال برابر

سب کے بھاشن سنتا جائے
یار بنائے مال برابر

گوری لاکھ دکھائے ٹھینگا
جانا ہے چکوال برابر

شادی کی تعزیر کڑی ہے
غلطی تو ہے بال برابر

آج کے بچے توبہ توبہ
لگتے ہیں بھونچال برابر

ہجے کر کے پڑھ لیتا ہوں
دیوانِ اقبالؔ برابر

مژدہ

مرحبا کوئی تو پاکستان میں
ارتقاء کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا
آپ ہم بیکار ہیں تو کیا ہوا
گورگن کا کام خاصا بڑھ گیا

بس بھئی بس

صبر کے شیریں ثمر ہونگے مگر
اِن دنوں وارا ہمیں کھاتے نہیں
گھرکیاں سن کر تری سرکار سے
ہوش کے ناخن لئے جاتے نہیں

اک دوجے پر عاشق ہونا تو تقدیر ہے پہلے سے
رانجھا تو پھر رانجھا ٹھہرا ' ہیر تو ہیر ہے پہلے سے

واعظ کو کچھ کہنا ہے تو بے موقع بھی کہہ دے گا
یاد اُسے اِک برسوں برسوں کی تقریر ہے پہلے سے

ٹھیکیدار کی اکلوتی اولاد ہے اندیشہ کیسا
اُس کے مستقبل کا تاج محل تعمیر ہے پہلے سے

تیرا بھی دل چاہتا ہے تو آ جا کر لے مشقِ ستم
میری مجلد قسمت تو دیوانِ میرؔ ہے پہلے سے

تو ہی بتا کہ پھر ایسے میں اُس پر کیسے ایکشن ہو
اسمگلر ہے لیکن تھانیدار کا ویر ہے پہلے سے

بہرِ محبت نو ویکینسی ' مجھ کو تو معذور سمجھ
میں کہ اِک شاعر ہوں میرا دل نخچیر ہے پہلے سے

روزوں میں

کچھ ایسے بھی کوائف آدمی ڈھوتا ہے روزوں میں
کہ شیطاں اپنی ڈیفیشینسی پہ روتا ہے روزوں میں

نظربازوں کی کن انکھیاں بہت بے چین رہتی ہیں
گناہِ دید وکھری ٹیپ کا ہوتا ہے روزوں میں

گرانی کی چڑیلیں دندناتی پھرتی ہیں ہر سو
غریب انسان تو بے موت ہی موتا ہے روزوں میں

یہ ریستوران کا گوشہ ہے روزہ خوروں کی جنت
جہاں دادا نے جانا ہے وہیں پوتا ہے روزوں میں

مجھ ایسے شخص کو حاجت نہیں ہے کونوں کھدروں کی
کوئی جائے اماں سگرٹ کا غم دھوتا ہے روزوں میں

خدا کی رحمتیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں سب کا
مگر انسان ہے کہ نفس کا کھوتا ہے روزوں میں

مزاجِ روزہ داراں بھی کڑک مرغی کی صورت ہے
ہمہ اوقات غصہ ناک پر ہوتا ہے روزوں میں

کسی بھی کام کا رہنے نہیں دیتا ہے نفس اُس کو
جو روزہ رکھتا ہے آرام سے سوتا ہے روزوں میں

ظفر جب سیٹھ دسترخوان پر تشریف لاتے ہیں
کبھی افطار تا بہ سحری بھی ہوتا ہے روزوں میں

درحقیقت

ایک بیوی اپنے شوہر سے گلہ کرنے لگی
گالیاں دیتے رہے ہیں آپ سوتے میں مجھے
اِس پہ شوہر نے کہا بالکل غلط سمجھی ہو تم
کون نانجار تھا جو سو رہا تھا اُس سے

گورا روپ کوترسے

(دودھ پر ایک کلاسیکی رنگ میں گیت)

بدلی کیا دنیا کی ریت
ختم ہوئی سب پریت وریت
منہ کو کالا، کر کے گوالا نکلے روز ہی گھر سے
گورا روپ کوترسے

پانی پانی ہو گیا مکھ
لٹ گیا جنم جلے کا سکھ
اب تو گھر گھر، بیچارے پر لعن وطعن ہی برسے
گورا روپ کوترسے

سب کا پی ہے اب پیسہ
کون پوتر ہے ایسا
کرے نہ اس کو بے چہرہ جو رب سائیں کے ڈر سے
گورا روپ کوترسے

آج قناعت کر نہیں سکتا عاشق سا مستانہ بھی
اُس کے دل میں بستی ہے فرزانہ بھی سلطانہ بھی

اب تو ہوس اور وفا میں رتی بھر بھی فرق نہیں
اب تو ہم تم کہہ سکتے ہیں مچھر کو پروانہ بھی

اپنے آپ کو دھوکہ دینا بھی فنکاری ہوتی ہے
کہنے والے کہہ دیتے ہیں رشوت کو نذرانہ بھی

زاہد مجھ کو میخواری کا ہرگز ہرگز شوق نہیں
یونہی میرے رستے میں آ جاتا ہے میخانہ بھی

جنت کے دیدار کی حسرت اب بھی دل میں باقی ہے
دوزخ کا ارمان نہیں کہ دیکھ چکا ہوں تھانہ بھی

نئی نویلی دلہن کو بھی اِک مشکل نے گھیرا ہے
توبہ توبہ کتنا مشکل ہوتا ہے شرمانا بھی

کب تک نثری نظمیں سنتا دیتے اور مرادے سے
''اپنی اپنی سب کہتے تھے بول پڑا دیوانہ بھی''

میک اپ میں وہ آتی ہے نظر اور طرح کی
دیکھو گے بہ اندازِ دگر اور طرح کی

ہم جھک کے ملے تھے کہ معزز نظر آئیں
ڈالی ہے ستمگر نے نظر اور طرح کی

ہر شام بتاتے ہیں ہمیں واپڈا والے
شب اور طرح کی ہے سحر اور طرح کی

دفتر میں تو رشوت سے ہی ہر کام ہوا ہے
کوشش تجھے کرنی ہے تو کر اور طرح کی

اب ہیر سے رانجھے کا تعلق ہے جہیزی
ہوتی تھی کبھی شرطِ سفر اور طرح کی

کچھ اگلے زمانے کی روایات جدا تھیں
کچھ چلتی ہے اِس دور میں ٹر اور طرح کی

پھوٹے جو پٹاخے تو بنے بم کے دھماکے
اخبار نے چھاپی ہے خبر اور طرح کی

پاپ الاپ

کیا ہوا گر ہے آواز سرکار کی
مینڈکوں کی طرح آپ گا سکتے ہیں
کیا ہوا گانا وانا جو آتا نہیں
شور کر سکتے ہیں پاپ گا سکتے ہیں

منزل یہی کٹھن ہے

بننے کا ارادہ رکھتے ہیں ہم لوگ معاشی جن لیکن
جذبات عمل سے خالی ہیں، منصوبے کچے دھاگے ہیں
باتوں سے اگر کچھ ہو پائے تو گورے پھنے کچھ بھی نہیں
دعوؤں سے سے ترقی ممکن ہو تو ہم جاپان سے آگے ہیں

شرط

محبت فاتحِ عالم ہے سو پیارے

بجا ہے دشمنوں سے دوستی کرنا

بشرطیکہ یہ خود سے دشمنی کے مول پر نہ ہو

(امجد اسلام امجد کی غزل کی پیروڈی)

جب بھی آنکھوں میں ترے وصل کا لمحہ چمکا
چشمِ زوجہ میں بڑے غیض کا شعلہ چمکا

ماہِ نو آیا ' ہوا گھر میں نیا ہنگامہ
بل کے کونے میں ترے فون کا ہندسہ چمکا

نامرادوں کی نگاہوں میں چبھے جاتے ہیں
کس کی دولت کا ترے کان میں جھمکا چمکا

جیسے آزاد ہوں پٹے کی گرہ کھلتے ہی
بیوی میکے جو سدھاری تو میں کیا کیا چمکا

یار چھپ چھپ کے مگر اُس کو بہت تاڑتے ہیں
وہ جو کوٹھے پہ گئی ' خوب ہی اُپلا چمکا

تو پیچی نہ کزن تیری ہمیں راس آئی
کسی جانب بھی ستارا نہ ہمارا چمکا

جیسے پالش سے چمک جاتے ہیں جوتے اکثر
اُس نے میک اپ جو کیا' اور بھی چہرہ چمکا

پرہیز پہ تُل جائیں اگر اب کے برس بھی
کمرے کو بنالیں گے کمر اب کے برس بھی

کردار پہ تھوپیں گے بہت جھوٹ کے پوڈر
چٹا نہیں ہونے کا کلر اب کے برس بھی

رکھنا ہے شکم نے ہمیں مجبورِ کرپشن
ممکن نہیں اِس شر سے مفر اب کے برس بھی

چندھیائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا جہاں کو
اِس دیس کا ہر اہلِ نظر اب کے برس بھی

ہم ابنِ محرّر کبھی آگے نہ بڑھیں گے
ہوگا ترا پتر ہی وزر اب کے برس بھی

اندیشہ یہی ہے کہ ترے ''پپو'' سے ہی جا کر
پوچھیں گے تری راہگذر اب کے برس بھی

کہتا ہے نجومی کہ نیا سال ہے اچھا
جوتے ہمیں کھانے ہیں مگر اب کے برس بھی

جس طرح بنایا تھا گدھا سالِ گزشتہ
ویسے ہی مرے دل میں اتر اب کے برس بھی

یا ''پچھوں کی ملیاں'' مجھے جانا ہے یا ''لندن''
لکھا ہے مقدر میں سفر اب کے برس بھی

وہ فلم جو ''انیس سو ترپن'' میں بنی تھی
دیکھو گے بہ اندازِ دگر اب کے برس بھی

اس سال بھی شاعر کو کوئی لفٹ نہ دے گا
کہہ دیں گے ظفؔر کو وہ ڈفر اب کے برس بھی

ہزاروں خواہشیں ایسی۔۔۔

آج خضابوں کے باعث دیتے ہیں مات جوانوں کو
جن کی کہنہ سال بزرگی ریش ہویدا ہونا تھی
خیر سے سولہ سالہ دوہٹی کی امید پہ زندہ ہیں
جن کے ساتھ کی انیس سو سولہ میں پیدا ہونا تھی

ڈھیٹ پن

نہ بھولیں گے جو کرسی کی کمٹ منٹ ہے
نہ بدکیں گے کسی لیکن کسی بٹ سے
ظفر کیا ہے جو ووٹر مسترد کر دیں
اُنہیں ہم "تا" کریں گے جا کے سینٹ سے

اصولوں وصولوں کا خوگر نہیں
میں لیڈر ہوں مولانا جوہر نہیں

ہمیشہ رہا ہے یقیں وصل کا
ہمیشہ ہی چیخے ہیں دلبر "نہیں"

فراموش کیسے ہو عہدِ وفا
میں کوئی اسمبلی کا ممبر نہیں

وہ لیڈر جو فصلی بٹیرہ نہ ہو
مقدر کا ہرگز سکندر نہیں

پئے جلسہء دشمناں بک چکے
دکانوں میں گندے ٹماٹر نہیں

ابھی یار لوگوں کی پہچان ہے
خدا کے کرم سے منسٹر نہیں

ڈنگے سے ڈنگا بن کر ملیں گے
جیسے کو تیسا بن کر ملیں گے

محبوباؤں کے ابوں کو ضد ہے
کہ ہم سے رولا بن کر ملیں گے

ہم جن رقیبوں کو پیٹتے ہیں
کل کو یہ دولہا بن کر ملیں گے

آئیں گے ویگن میں بیٹھ کر ہم
گویا تماشہ بن کر ملیں گے

وہ ہیں منسٹر سو ووٹروں سے
کاہے کو بندہ بن کر ملیں گے

منصوبہ بندی کے ہونگے قائل
جب دو سے بارہ بن کر ملیں گے

بیگم ہے میکے سو کھل کھلا کے
ہیروں سے رانجھا بن کر ملیں گے

جس جس کو دینی ہوگی اڑنگی
اُن سب سے کاکا بن کر ملیں گے

وہ بھی لڑائی کے موڈ میں ہیں
ہم بھی پٹاخہ بن کر ملیں گے

کیونکر نہ مانیں گے ڈھیٹ پن کو
ہم اُن سے انڈیا بن کر ملیں گے

جب بھی ملیں گے ماہِ بجٹ سے
دیوارِ گریہ بن کر ملیں گے

خوراک ایسی رکھی تو اِک دن
ہاتھی کا انڈہ بن کر ملیں گے

بسکہ ثقافت کا ٹاکرا ہے
کوئل کو کوا بن کر ملیں گے

گو پیٹھ پیچھے دیتی ہے گالی
محفل میں چمچہ بن کر ملیں گے

محرومی

سیلولر ہو نہ ہو، ہم کنگلوں کی خوشی
ایسے بھی عنقا ہے ویسے بھی عنقا
کال تو مس کو کرنے کا ہے شوق مگر
بیلنس میں مس کال کے پیسے بھی عنقا

پلیز

زندگی رونقوں سے خالی ہے
اِس میں اپنی وفائیں بھر لیجے
لے کے پھرتا ہوں دل کا موبائل
اِک نظر ایزی لوڈ کر لیجے

کیا بات ہے اونچے لوگوں کی

ہم آپ تو ایویں جیتے ہیں — اوقات ہے اونچے لوگوں کی
کیا بات ہے اونچے لوگوں کی

ہر بات میں اِن کی ہے تیزی — بولی بھی ہے اِن کی انگریزی
پھیلے ہیں کنالوں میں بنگلے — منہ پھاڑے تکتے ہیں کنگلے
گاڑی کی چال میں مستی ہے — ہم بے کاروں پر ہنستی ہے
کپڑے ہیں وکھری ٹائپ کے — نخرے ہیں وکھری ٹائپ کے
ہر رنگ جدا ، سنگیت جدا — حتیٰ کہ قومی گیت جدا
ہر دن کا چڑھنا اِن کے لیئے — ہر رات ہے اونچے لوگوں کی
کیا بات ہے اونچے لوگوں کی

ہر در ہو جائے اِن پر وا ہر بر ہے انہی کی قسمت کا
ہر کرسی اِن کی خاطر ہے تشریف کے نیچے حاضر ہے
سب کچھ یہ سمیٹے لیتے ہیں ہم آپ تو ٹھینگے لیتے ہیں
بینکوں میں ہیں کھاتے تو اِن کے کھاتوں میں ہیں پیسے تو اِن کے
چٹکی میں کام کراتے ہیں ہم لائن میں رہ جاتے ہیں
مخلوق یہ کتنی اشرف ہے کیا ذات ہے اونچے لوگوں کی
کیا بات ہے اونچے لوگوں کی

گردن میں یہ سریا تا بہ کے ہم آپ ہیں چپ یا تا بہ کے
کب تک نہ اِنہیں ہم سمجھیں گے ان داتا بنائے رکھیں گے
اِک روز تو خواب سے جاگیں گے اور پیچھے باندھ کے بھاگیں گے
آنکھوں میں نظر بھر آئے گی اور منہ میں زباں لہرائے گی
ہر وہم سے سر ٹکرائے گا سب جادو پُھر ہو جائے گا
اِس سوچ سے نکلیں گے آخر بہتات ہے اونچے لوگوں کی
کیا بات ہے اونچے لوگوں کی

علاج

ظفر پاپ میوزک کے میلے میں جا کر
یہی سوچتا ہوں کہ یہ پاپ سنگر
تشنج کے ٹیکے لگا لیں تو بہتر

بنے کیسے مہذب جس کو انگریزی نہ آتی ہو
کرے کس ذعم میں غلطی جسے سوری نہ آتی ہو

اگر نہ پھٹ سکے تو پھر پٹاخہ کیوں بنے کوئی
اُسے غصہ بھی کیوں آئے جسے گالی نہ آتی ہو

وہ شوہر کیا جو اپنے گھر میں چوہے کی طرح نہ ہو
وہ بیوی کیا کہ جس کو تھانیداری ہی نہ آتی ہو

کسی لڑکے کو اپنے پوز سے محظوظ کر بیٹھے
وہ پونی دیکھ کر چونکے کوئی لڑکی نہ آتی ہو

ترا دل بھی مرا مہمان خانہ ہے کہ اب جس میں
مرا بستر نہ کھلتا ہو، مری منجی نہ آتی ہو

میں رکشہ لے کے کیسے پھڑ پھڑاؤں تیرے کوچے میں
مری انگنائیوں میں جب تری گاڑی نہ آتی ہو

وہ حالِ دل نہ کہہ پایا تو میارن کی کیا غلطی
جسے پنجاب میں رہ کر بھی پنجابی نہ آتی ہو

تو برگر فیملی والا تجھے کیسے یقیں آئے
کسی کی سیلری سے دال اور روٹی نہ آتی ہو

ظفر لاہور میں وہ کس طرح پیدا ہوا ہو گا
مری ٹنڈ دیکھ کر جس کو کوئی پھبتی نہ آتی ہو

بیدردی

(علامہ اقبال کی مشہور نظم "ہمدردی" کی پیروڈی)

دفتر کے کہیں قریب تنہا بوڑھا تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ چھ مہینے گزرے پھرتا ہوں لئے سفید چونڈا
پہنچوں کس طرح اے ڈی خاں تک چپڑاسی دیتا نہیں ہے رستہ
سن کے ناداں کی آہ وزاری بابو کوئی پاس آ کے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے لگتا ہوں اگرچہ بس یونہی سا
کیا غم ہے جو کام پھنس گیا ہے سمجھو کہ پلک جھپکتے ہو گا
افسر نے مجھے اتھارٹی دی سونپا ہے فریضہ مک مکا کا
ہیں لوگ وہی یہاں پہ سوکھے
لیتے ہیں جو کام مل ملا کے

تعصب

تم نے مرے گدھے کو کھوتا کہا ہے کیسے ؟
میرے شہر میں آ کر یہ حوصلہ ہے کیسے ؟

یوں تو لنڈے کی وہ پوشاک پہن کر نکلا
اور نخرہ ہے کہ افلاک پہن کر نکلا

مجھ کو باور ہے کہ ہوگا کوئی فیشن جاناں
تو جو یہ دامنِ صد چاک پہن کر نکلا

اس سے تو اور بھی ہو جاتی ہے "بہہ جا بہہ جا"
یہ لبادہ جو ٹچے واک پہن کر نکلا

وصل لیلیٰ تھا ، ذرا ہوش کے ناخن لیتا
بھائی مجنوں تو وہی خاک پہن کر نکلا

آج کھائی ہے بڑے زور کی پٹخی میں نے
آج سسرال میں اوراک پہن کر نکلا

زاہدا ! آنکھ تو ماری تھی مجھے تو نے بھی
دل لگی میں جو شٹل کاک پہن کر نکلا

ہر مہینے نے مجھے بل وہ تھمائے ہائے
جب بھی نکلا ہے نئے شاک پہن کر نکلا

سام چچا سے رہا شوقِ مراسم ہم کو
آپ نخچیر یہ فتراک پہن کر نکلا

دورۂ بھیک کو نکلا ہے ہمارا لیڈر
اور کیا طرۂ پیچاک پہن کر نکلا

تیری در پر تو نکٹوں کی سنی جاتی ہے
کوئی پوچھے کہ میں کیوں ناک پہن کر نکلا

آج بولا تو لگا ٹھیک کیا کرتا تھا
وہ جو ہونٹوں پہ سدا لاک پہن کر نکلا

دراصل

جب گدھے عشاق کی معروف شکلیں ہیں ظفؔر
گھاس کھانے کی غرض سے کس لئے جائے نہ عقل
حسن کے جادو سے نکلیں تو پتہ چل جائے گا
ناز برداری بھی ہے اِک بار برداری کی شکل

ہوم سِک

میں ہوں کچھ ہوم سِک ، میری مدد کر
کسی صورت کوئی در کھولتا جا
بہت منے کی ماں یاد آ رہی ہے
تو ایسا کر مسلسل بولتا جا

غمِ جاناں تجھے بھی دیکھ کن خانوں میں رکھتے ہیں
کبھی سگرٹ میں پیتے ہیں کبھی پانوں میں رکھتے ہیں

وہی ہے حسرتِ مئے، ترکِ مئے کے باوجود اپنی
جو لیمن جوس پینا ہو تو پیمانوں میں رکھتے ہیں

جنابِ قیس تھے ہیرو کبھی اہلِ محبت کے
زمانِ نو میں ایسوں کو فقط تھانوں میں رکھتے ہیں

کہیں بھی تیرے بسمل کا علاج اچھا نہیں ہوتا
دوائے زخم چارہ گر نمکدانوں میں رکھتے ہیں

سیاستدان باز آتے نہیں ہیں کاٹ کھانے سے
خدا جانے کھلا کیوں اِن کو انسانوں میں رکھتے ہیں

الیکشن میں زبردستی جو سینے سے لگاتے تھے
وہ اپنے دستِ شفقت کو بھی دستانوں میں رکھتے ہیں

اصولوں پر جو چلتے ہیں ہمیں اچھے تو لگتے ہیں
مگر ہم اُن کے درجے کو اکثر خانوں میں رکھتے ہیں

"سلیپنگ پلز" کے فنکشن پہ بات آئی تو یاد آیا
یہی تاثیر شاعر اپنے دیوانوں میں رکھتے ہیں

کمالِ ضبط سے ہم نے سہے ہیں اُن کے سہ غزلے
ہمارے نام پر جو انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں

خوشامد جن کو آتی ہے وہ کتنے قیمتی ہوں گے
ہمیشہ کرسی والے اُن کو دربانوں میں رکھتے ہیں

ظفر آتا ہے کرکٹ کھیلنے کا لطف سڑکوں پر
وہ کیسے لوگ ہیں جو میچ میدانوں میں رکھتے ہیں

کوچہء یار کا سودا ہے سو چکراتے ہیں
یہ وہ سودا نہیں بازار سے جو لاتے ہیں

ہم کو عشاق کی فہرست میں رکھ لینا تھا
کتنے عرصے سے ترے کوچے میں دندناتے ہیں

بیسویں بار ہے' اور اپنا وطیرہ ہے وہی
عشق فرماتے ہیں پھر بعد میں پچھتاتے ہیں

کیسی باتیں ہیں کہ کہنے میں نہیں آتی ہیں
شبِ ہجراں ہے' ترا فون ہے' جگتراتے ہیں

زاہدا ! کون سے چینل سے نشر ہوتا ہے
تیرے بھاشن تو سمجھ میں ہی نہیں آتے ہیں

چھوڑ آئے ہیں کہاں جانے حیا کا زیور
جہاں شرمانا ہو خوباں وہاں گھبراتے ہیں

ہم شرافت کو سمجھ پائے ہیں شر اور آفت
آپ فرمائیں جو اس باب میں فرماتے ہیں

اپنی باتوں میں اگرچھ نہ مگرمچھ کوئی
ہم تو جو دل میں ہو منہ پر وہی کہہ جاتے ہیں

کیسی خوش فہمی ہے اب قوم کے ہر لیڈر کو
لوگ بس اُس کی محبت میں مرے جاتے ہیں

جو جوانی میں نہ مانے تھے کسی کا کہنا
اب جوانوں کو پکڑ کر وہی سمجھاتے ہیں

ہم بہت جن کی نزاکت پہ مرا کرتے تھے
اب وہی نون غنہ بنتے چلے جاتے ہیں

اپنے یاروں سے ذرا سر کو بچا رکھ کیاتی
جب بھی کھاتے ہیں ترے سر کی قسم کھاتے ہیں

آخر کیوں

لاحول کی گئیں کیوں شیطان پر تنی ہیں
تم اسمِ الحذر سے کیسے پرے ہوئے ہو
چھٹکارا چاہتی ہے مخلوقِ ہر دو عالم
تم کہ بشر ہو، تم بھی شر سے بھرے ہوئے ہو

کاش

ہر کسی سے نظر نہ ٹکراتی
کالا چشمہ لگا لیا ہوتا
کاش ہم نے بھی اپنی آنکھوں پر
مارشل لاء لگا لیا ہوتا

سیاسی مشورے

سیاست کی کلغی اُگا لیجیے
زمانے کو لڈی نچا لیجیے

زکاموں کی ماری ہے ہر مینڈکی
ذرا آپ بھی ٹرٹرا لیجیے

بڑھاپے میں توبہ بھی ہو جائے گی
ابھی میکدے میں اُڑا لیجیے

مناسب نہیں کاروبارِ دگر
سیاست کا چکر چلا لیجیے

طریقے سے دیجیے دغا قوم کو
وفا کا ملمع چڑھا لیجیے

وہ سسٹم کہ جس کے ہیں پروردہ خود
اُسے بھی دو ہتھڑ لگا لیجیے

مرے لوگ ہیں فطرتاً سادہ لوح
یہاں اپنا سکہ جما لیجیے

وہ تقریر جس سے ملے لیڈری
کسی سے بھی جا کر لکھا لیجیے

یونہی دوسروں کی ضیاء سے سدا
زبان و بیاں جگمگا لیجیے

لگا لیجیے کالے دھن کو ہوا
حریفوں کے ووٹر کما لیجیے

دلوں پر نہ "ماٹو" کا ٹھپہ لگے
اصولوں سے دامن بچا لیجیے

وہی سمت بہتر ہوا ہو جدھر
زمانے سے درسِ وفا لیجیے

وزارت نہیں تو سفارت سہی
حکومت سے کچھ کٹ مکا لیجیے

(قتیل شفائی مرحوم کی غزل کی پیروڈی)

ایروں غیروں کو بہت چاند کنول کہتے ہیں
میری صورت نظر آئے تو وہ "چل" کہتے ہیں

اُف وہ مرمر کے خریدا ہوا سینڈل کا پٹر
جاننے والے جسے میری اجل کہتے ہیں

وہ تری "سرخی" کی قیمت سے نہیں ہیں واقف
پنکھڑی کو جو ترے لب کا بدل کہتے ہیں

پڑ گئی تیرے گلے عقد کی زنجیر تو کیا
ہم تو اِس کو ترے کدو کا خلل کہتے ہیں

فرق

یہ بولی بیس برس کی ہوں
اے کاش اٹھارہ کی ہوتی
وہ بولی یہ کیا بات ہوئی
کیا فرق اٹھارہ بیس میں ہے
یہ بولی فرق تو ہے خاصا
اِک شوہر کا دو بچوں کا

دفع یا دور کہہ سکتے ہیں ہم تم
یوں نامنظور کہہ سکتے ہیں ہم تم

کسی کے حسن کا معیار ٹھہرے
جنہیں لنگور کہہ سکتے ہیں ہم تم

وہ خود کو سانولا گردانتے ہیں
''شبِ دیجور'' کہہ سکتے ہیں ہم تم

جو دولت کے لئے کانٹا بدل لے
اُسے مجبور کہہ سکتے ہیں ہم تم

کوئی کہتا ہے تو شوہر بھی کہہ لے
فقط محصور کہہ سکتے ہیں ہم تم

اگرچہ ہے وہ بدنامِ زمانہ
مگر مشہور کہہ سکتے ہیں ہم تم

جو بیوی قبر میں لیٹی ہوئی ہو
اُسی کو حور کہہ سکتے ہیں ہم تم

بہ الفاظِ دگر تہذیب نو کو
فقط ناسور کہہ سکتے ہیں ہم تم

جو دفتر میں دیانتدار ہو گا
اُسے مغرور کہہ سکتے ہیں ہم تم

سیاست ہے نرالی آج کل کی
کمالِ زور کہہ سکتے ہیں ہم تم

نہیں پڑتی نظر بجلی کے بل پر
''چراغِ طور'' کہہ سکتے ہیں ہم تم

بذریعہ طمانچہ حال دل کا
ذرا بھرپور کہہ سکتے ہیں ہم تم

ظفر جو شعر سنتا ہو کسی سے
اُسے مقہور کہہ سکتے ہیں ہم تم

خاتون ناول نگار

منکشف نہ ہو سکا ہم پر تو سرِ زندگی
ہم یونہی بدھو رہے ڈھیروں کتابیں پڑھ کے بھی
ہاں کسی خاتون کے ناول پڑھے تو یہ کھلا
عشق کرنا لنچ کرنے کی طرح ہے لازمی

اُف یہ ریل

کس لئے دیکھتے ہو گھڑی ہر گھڑی
گورے ملکوں کے چینجروں کی طرح
لیٹ ہو جاتی ہے ہر دفعہ، ہر جگہ
ریل گاڑی بھی ہے افسروں کی طرح

ارتقائے معکوس

واپڈا ہر ارتقاء کی آرزو کو کھا گیا
لوڈشیڈنگ کے اندھیرے دیکھنا !!
لگ رہا ہے پھر چراغوں کا زمانہ آ گیا

(ناصر کاظمی مرحوم کی غزل کی پیروڈی)

کسی کڑی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے
گزر گئی ترے کالج کی بس رگڑ کے مجھے

میں سو رہا تھا کہیں ہالی وڈ کی جنت میں
جگا کے بھاگ گئے بچے بھائی زر کے مجھے

میں فلمی دنیا کے تاروں میں جا کے ڈوب گیا
پکارتے رہے تارے ابھر ابھر کے مجھے

ذرا سی دیر کو کر لے اُدھر کو منہ بیگم
کہ دیکھتی ہے کوئی سیڑھیاں اُتر کے مجھے

پھر آج آئی تھی ہمسائی بی جمالو ظفر
سنا گئی ہے فسانے اِدھر اُدھر کے مجھے

آئی ایم سوری

اُف یہ دوشیزۂ سیاست سب کے حق میں ایک قیامت
سب کی شامت ہے یہ چھوری
آئی ایم سوری !!
لگتی تو ہے اُجلی اُجلی لیکن بات نہ پوچھو اصلی
کالی کلوٹی ہے یہ گوری
آئی ایم سوری !!
ذکر کریں کیا ہی یا شی کا ہر اِک دل پر راج اِسی کا
بن بیٹھی ہے اِک کمزوری
آئی ایم سوری !!
ملک میں آپا دھاپی اِس سے قوم ہے بکھری بکھری اِس سے
پارٹی بازی کرے چھچھوری
آئی ایم سوری !!
ماں دھرتی کو چاٹ چکی ہے اس کا بازو کاٹ چکی ہے
کیسی ہے یہ عقل کی کوری
آئی ایم سوری !!

سیٹھ، وڈیرہ، حاجی، قاضی　　اِس کی زلفوں کے سب قیدی

سب کو سناتی ہے یہ لوری

آئی ایم سوری !!

کچھ نہ دیکھا پگڑی شملہ　　سب کو رسوا کر کے چھوڑا

اِس کے ہاتھ میں سب کی ڈوری

آئی ایم سوری !!

اِس کو پٹخا، اُس کو گرایا　　سب کو رمبا سمبا نچایا

جانتی ہے سب ٹھری ٹھوری

آئی ایم سوری !!

کل جو پھنّے خان بنا تھا　　آج ہے تیر کی مانند سیدھا

بیچ رہا ہے بھنڈی توری

آئی ایم سوری !!

اِس سے کوئی بچ نہ پایا　　لیڈر اِس نے سب کو بنایا

بھر دی میرے دیس کی بوری

آئی ایم سوری !!

مارشل لاء کے دور میں لکھی گئی نظم

سوا سیر

ترقی کی ڈینگیں نہ مارواے گورو !!
جو تم سیر ہو تو سوا سیر ہیں ہم
ہمارے ہوائی قلعے بھی تو دیکھو
کہ منصوبہ بندی میں کیا شیر ہیں ہم

سیاسی کارکن

اِن کو قائدِ اعظم کا کردار دکھانا بے معنی
کیسے برپا ہو سکتے ہیں دھوم دھڑکے' بتلاؤ
اِن کو کیا بتلاتے ہو کہ لیڈر کیسا ہوتا ہے
اِن کو زندہ باد یا مردہ باد کے نعرے بتلاؤ

روگ یوں جی کا نہ بن
تُو بھی امریکا نہ بن

لے اُڑے میرا رقیب
اس طرح پی کا نہ بن

میری بیگم کی طرح
یار پہلی کا نہ بن

فطرتاً مچھر سہی
زہر کا ٹیکا نہ بن

میرے ڈربے کا ہے تُو
غیر مرغی کا نہ بن

ہائے ہائے کر مگر
زادہی ہی کا نہ بن

رسم کلجگ ہے ظفرؔ
خوب تشکیکا نہ بن

فردِ عمل میں پیشتر ویسے کے ویسے ہی رہے
کعبہ بھی ہو آئے مگر ویسے کے ویسے ہی رہے

تاریخ نے عبرت کا چشمہ ناک پر رکھا نہیں
اہلِ نظر، اہلِ خبر ویسے کے ویسے ہی رہے

تعلیم گاہِ ہر جہاں، اِن کے لئے ہیں رائیگاں
جو تھے ڈفر وہ تو ڈفر ویسے کے ویسے ہی رہے

خدمت کے دعوے ہیں وہی، جیبوں پہ دھاوے ہیں وہی
اپنے یہاں کے ڈاکٹر ویسے کے ویسے ہی رہے

جمہوریت سے ہاتھ ہو جاتا ہے کوئی ہر دفعہ
اِس ٹائیٹینک کے سفر ویسے کے ویسے ہی رہے

ہم آپ جن کے واسطے لڑتے رہے مرتے رہے
لیڈر تو وہ شیر و شکر ویسے کے ویسے ہی رہے

نہ چارپائی ہم نے چھوڑی ہے نہ اُس نے کرسیاں
سو ہم اِدھر اور وہ اُدھر ویسے کے ویسے ہی رہے

ہم لوگ تو مرجھا گئے سوکھے چھوہارے کی طرح
تیرے فِگر، تیرے کلر ویسے کے ویسے ہی رہے

جو پرچیاں لے کر چلے، کیا کیا انہیں پہیے لگے
اور تم ہو کہ اب تک ظفرؔ ویسے کے ویسے ہی رہے

وجہِ نزع

وہ بولا مرا تو سکوں لٹ چکا ہے، عجب ایک ہنگامہ رہتا ہے گھر میں
نہ دن دیکھتے ہیں نہ شب دیکھتے ہیں، ہمہ وقت امی سے لڑتے ہیں ابو
میں بولا کہ اچھا میں سمجھاؤں گا اُن کو، کیا نام ہے آپ کے ابو جی کا
وہ بولا ''یہی جاننا چاہتے ہیں، اِسی بات پر تو جھگڑتے ہیں ابو''

(میر تقی میر کی غزل کی پیروڈی)

شریفانہ آئے خطا کر چلے
سبھی لوگ ہم کو دبا کر چلے

جو تجھ بن نہ جینے کا کہتے تھے ہم
سو تجھ کو بھی بھتنی بنا کر چلے

دکھائی دے یوں کہ عاشق کیا
مرے یار کو بھی گدھا کر چلے

جو دیکھا حریصانہ کر کے نگاہ
سو تم ہم سے حلوہ چھپا کر چلے

شفا اپنی تقدیر میں ہی نہ تھی
طبیبوں کے بل بھی ادا کر چلے

سیاست میں آئے تو بگڑے گئے
حق ہاؤ ہو ہم ادا کر چلے

وہ کیا لڑکیاں تھیں کہ جن کے لئے
بڑے نوجواں جوتے کھا کر چلے

کٹی عمر دربندِ فکرِ شکم
سو ہم توند کو یوں بلا کر چلے

ڈکاروں کے بھونچال میں کیا کہیں
ولیمے میں آئے تھے کیا کر چلے

بتا یہ عید تو کیسے منائے گی؟

گرانی! تجھ کو بھی تو عید کی تیاری کرنی ہے
تری عیدی بنا بیٹھا ہے ہر اہلِ وطن میرا
تجھے ہر سال قربانی کے بکروں کی ضرورت ہے
عوام الناس کی کھالوں سے سجتا ہے بدن تیرا
ہمارے ضبط کو اِس بار بھی کیا آزمائے گی
بتا یہ عید تو کیسے منائے گی؟
سیاست! تو بھی کن انڈوں پہ بیٹھی کڑکڑاتی ہے
کوئی چوزہ نہیں جمہوریت کا اِن خرابوں میں
جو تری عید بنتے تھے کہیں پردیس بیٹھے ہیں
تو اپنے ملک میں رہ کر پڑی ہے کن عذابوں میں
کوئی ریلی، کوئی جلسہ کوئی دھرنا سجائے گی
بتا یہ عید تو کیسے منائے گی؟

معیشت بی ! تجھے کیسے مبارکبادیاں میں دوں
مسرت تو توانا ساعتوں کی خوشدلی ٹھہری
تجھے کیا لینا دینا عید کے اِن میلوں ٹھیلوں سے
تو دنیا کے سبھی امراض کی ماری ہوئی ٹھہری
تو کیونکر مسکرائے گی ' اگر تو مسکرائے گی

بتا یہ عید تو کیسے منائے گی؟

اے آئی ٹی ! تجھے اِس عید پر" وش کارڈ" تو بھیجوں
مگر جانے تو میرے ملک میں کب عید کرتی ہے
نجانے کب تو پہنچے ڈالروں کی خوشبویں پہنے
خدا معلوم کب یہ قوم تیری دید کرتی ہے
سنا ! اِس عید کو چکر ہمارے ہاں لگائے گی

بتا یہ عید تو کیسے منائے گی؟

اے میری قوم ! اے بھوکی ننگی ' سادہ و احمق!
تو ایسی مفلسی میں عید کرتی ہے' تری ہمت!
تو اپنے ہی گلے میں پھیر لیتی ہے چھری اکثر
ادا یوں رسمِ ابراہیم کرتی ہے ' تری جرأت
تو اے بکرے کی ماں اب کس چھری کے نیچے آئے گی

بتا یہ عید تو کیسے منائے گی؟

معذرت

مسجد میں مولوی نے دیکھا گدھے کو چرتا
مارا پکڑ کے خاصا

آ کر گدھے کا مالک کہنے لگا کہ چھوڑیں !
اب اِس کو بخش بھی دیں

یونہی اُٹھا کے منہ جو مسجد میں آ گیا ہے
آخر کو یہ گدھا ہے

ایمان سے کہیں کہ مجھ کو یہاں کبھی بھی
دیکھا ہے مولوی جی ؟

(جناب قابل اجمیری کی غزل کی پیروڈی)

تمہیں بھی میں ازدواجی مقتل میں کھینچ لایا تو کیا کرو گے
میں رو رہا ہوں تو ہنس رہے ہو میں تلملایا تو کیا کرو گے

مجھے حسینوں سے دور رہنے کی یوں تو تلقین کر رہے ہو
کسی کی ذلفوں کے جال میں تیرا پاؤں آیا تو کیا کرو گے

بجا کہ افسر نہیں ہے پھر بھی تم اُس سے جلدی سے عقد کر لو
خدا نہ کردہ اُسے بھی بروقت ہوش آیا تو کیا کرو گے

ابھی تو تنقید کر رہے ہو تمہارے کتے سے کیوں ڈرا ہوں
تمہارے پپا کی برہمی کا سوال آیا تو کیا کرو گے

ابھی تو دامن چھڑا رہے ہو، بڑے گھرانے میں جا رہے ہو
جو میں نے کسٹم میں نوکری کا تمہیں بتایا تو کیا کرو گے

ساہنوں کی!

سوزِ ایمان تھا اقبالؔ کے شعروں میں تو کیا!!
اس کے پیغام میں تھی غیرتِ ملی' ہو گی
ہم تو اقبالؔ کے بارے میں یہی جانتے ہیں
یومِ اقبال پہ ہو جاتی ہے چھٹی اپنی

سوالیہ نشان

بے فیض ہی ٹپکتی ہے رال تیری میری
برتن پڑے ہوئے ہیں چون برس سے ٹھنڈے
کس کے شکم کی خاطر ساری سیاستیں ہیں
جمہوریت کی مرغی سیتی ہے کس کے انڈے

داستانِ غریب حمزہ

مرے بچپن کے ساتھی، میرے مونس !!

تو بیشک مجھ سے ملنے کے لئے آ !!
مگر یہ جان لے کس حال میں ہوں
مری شادی بنی خانہ خرابی
کئی برسوں سے اِس جنجال میں ہوں
کوئی دیکھے مری قسمت کا چکر
میں گھر میں رہ کے بھی سسرال میں ہوں

مرے بچپن کے ساتھی، میرے مونس !!

مرے سسرال والے میرے گھر میں
یونہی مہمان بن کر آگئے تھے
فقط تبدیلیء آب و ہوا کو
وہ دو دن کے لئے گھر سے چلے تھے
مگر چھ سات برسوں بعد جانا
کہ وہ انساں نہیں تھے کیکڑے تھے

مرے بچپن کے ساتھی، میرے مونس !!

نظر آئیں گے بیگم کے علاوہ
بہت سے نسبتی خواہر برادر
مرے کمرے میں میری ساس قابض
ڈرائنگ روم میں پھیلے ہیں سسر
میں شوہر ہوں چنانچہ میرے گھر میں
مرا ہونا نہ ہونا ہے برابر

مرے بچپن کے ساتھی، میرے مونس !!

مرے ماں باپ دنیا میں نہیں ہیں
اُنہیں موت آ گئی تھی ریسٹ بن کر
برادر ہیں یہیں پنڈی میں لیکن
کہیں رہتے ہیں پے اِنگ گیسٹ بن کر
مری سسٹر ہے کالج ہاسٹل میں
اُسے بیگم پڑی تھی پیسٹ بن کر

مرے بچپن کے ساتھی، میرے مونس !!

ہوا گھر ایسا مقبوضہ علاقہ
امیدِ واگزاری ہی نہیں ہے
نجات آسیب سے ممکن ہو کیسے
دماغ ضربِ کاری ہی نہیں ہے
کسی یو این او میں جانا عبث ہے
کہ امریکہ سے یاری ہی نہیں ہے

مرے بچپن کے ساتھی، میرے مونس !!

وجہ

بیمہ افسر نے پوچھا کہ کہتا ہے کیا آپ کا فکرِ بالانشیں؟
موت کیا آپ کے والدِ محترم کی قدرتی ہی تھی؟؟
اِس پہ بیٹے نے معصومیت سے کہا ' جی نہیں !!
موت اُن کی نہ تھی قدرتی سربسر
کر رہے تھے علاج اُن کا اِک ڈاکٹر

تیرا ظفر

یو آر بیوٹی فل مگر
کچھ بھی نہیں تیرا ظفر
جب بھی دکھائی دیتا ہے کیوں دیکھتی ہو رک کے یوں
دل اس پہ کھو بیٹھی ہو کیا یا لگتا ہے یہ کارٹوں
مت مسکراؤ دیکھ کر
کچھ بھی نہیں تیرا ظفر
بابر علی سا ہینڈسم نہ شان سا گبھرو جواں
چہرہ سراسر ٹیکسلا مہنگائی نے کڈھ لی ہے جاں
تو آتی ہے ریما نظر
کچھ بھی نہیں تیرا ظفر

مل جاتا قرضہ بنک سے بن جاتا مل اونر کوئی
یا پھر سفارش کے سبب ہو سکتا تھا افسر کوئی
کچھ بھی نہ بن پایا مگر
کچھ بھی نہیں تیرا ظفر
تیری گلی میں جائے تو ظالم نگاہوں میں پسے
بھیا ترا رکھے نظر ابا ترا گھورے اِسے
آ جائے واپس دے کے سر
کچھ بھی نہیں تیرا ظفر

اڑنگی باز کے چکر میں نہ آتا تو اچھا تھا
میں اپنے آپ کو تھوڑا سا سمجھاتا تو اچھا تھا

یونہی ساون کے کیڑے بن کے عاشق نہ اُمڈ پڑتے
محبت پر بھی کوئی ٹیکس لگ جاتا تو اچھا تھا

مزے سے صحن میں بیٹھے جگالی کر رہے تھے ہم
خیالِ یار یوں آ کر نہ تڑپاتا تو اچھا تھا

دیانتدار افسر جیتے ہیں نہ جینے دیتے ہیں
انہیں شو کاز نوٹس دے دیا جاتا تو اچھا تھا

ضمیرِ کج ادا سے فائدے سب نے اٹھائے ہیں
ہمارا بھی شکم میں پرورش پاتا تو اچھا تھا

مسلمانوں کی طرح وہ یقیناً ڈال دیتا سر
تو امریکہ کی طرح اُس کو سمجھاتا تو اچھا تھا

ظفر کی داد کو سارا محلّہ اٹھ کے آ جاتا
یہ آدھی رات کو اپنی غزل گاتا تو اچھا تھا

میرا بیٹا

کبھی جو امتحاں دینے کو جاتا ہے مرا بیٹا
کلاشنکوف کو خامہ بناتا ہے مرا بیٹا

کتابیں وابیں پڑھنے کیلئے کالج نہیں ہوتے
کتابی چہرے پڑھنے ہوں تو جاتا ہے مرا بیٹا

وہ اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا پڑھائی میں
بالآخر ممتحن سے گل مکاتا ہے مرا بیٹا

ابھی فرصت کہاں کہ علم کا آزار بھی پالے
پئے ڈگری ابھی کالج کو جاتا ہے مرا بیٹا

عمومی طور پر اچھا بھلا بندے کا پتر ہے
الیکشن ہوں تو لیڈر بنتا جاتا ہے مرا بیٹا

یوں خاصے پاپ کرتا ہے، مگر جب پاپ گاتا ہے
بتاؤں کیا ستم کیسا کماتا ہے مرا بیٹا

غسل خانے میں یہ استاد بندے خاں کو شرمائے
سُروں کو بے طرح مرغا بناتا ہے مرا بیٹا

محبت میں کبھی توحید کا قائل نہ ہو پایا
ہر آئے دن نواں ہی چن چڑھاتا ہے مرا بیٹا

مری سرگرمیوں سے خوب واقف تھے مرے والد
مجھے معلوم ہے جو گل کھلاتا ہے مرا بیٹا

میں جھکی ہوں سو اُس کے پاس اکثر بیٹھ جاتا ہوں
نصیحت سن کے طنزاً مسکراتا ہے مرا بیٹا

ظفرؔ بزمِ سخن جب بھی کسی کالج میں جم جائے
مرے اشعار ٹھسے سے سناتا ہے مرا بیٹا

قیانہ

پیکٹوں سے لدی پھندی بیوی
گھر میں آتے ہی زور سے بولی

اجی سنتے ہو مر رہی ہوں میں
بوجھ کچھ تو بٹائیے میرا
میاں کرتا میاؤں آیا اور
ایک پیکٹ کو سونگھ کر بولا

شامۂ خاکسار کہتی ہے
اِس میں کھانے کی چیز رکھی ہے

اس پہ بیوی نے مسکرا کے کہا
واہ کیا بات ہے قیانے کی
ٹھیک سمجھے ہیں آپ صد فیصد
اِس میں رکھی ہیں جوتیاں میری

روزہ دار ہائیکو

نفسِ امارہ سے آپ ہر جائیں گے
روزہ رکھنے چلے ہیں مگر دیکھنا
دن میں دو چار افطار کر جائیں گے

روزہ رکھنے کی ہمت میسر سہی
دیدۂ شوق رہنے نہ دے گا کبھی
روز بن ٹھن کے آتی ہے مس نازلی

ان کے طرزِ عمل پر کوئی کیا کہے
روزہ رکھنے کی توفیق نہ ہو سکی
اور افطار میں سب سے آگے رہے

آکے دفتر پریشاں ہے تُو آج بھی
آج بھی سارا اسٹاف روزے سے ہے
ٹائلٹ میں ہے سگریٹ کی بُو آج بھی

یہ سمے یوں نہ کٹ پائیں گے دوستو
سینما جا کے دیکھیں گے پکچر کوئی
مل کے روزے کو بہلائیں گے دوستو

روزہ داری میں سب کا ہے رونا جدا
ہم کو سگریٹ کی خواہش نے بیکل کیا
خان صاحب کو نسوار کا غم رہا

روزہ رکھ نہ سکیں گے کبھی سیٹھ جی
حکم ربی فراموش کر جائیں گے
توند کی بات ٹالی نہیں جائے گی

کیا خریدیں کہ جب دسترس میں نہیں
اب تو قیمت کھجوروں کی سن کر لگے
روزہ رکھنا غریبوں کے بس میں نہیں

عینی گواہ

جس سے
پھاند کر دیوار ڈاکو آئے تھے
آ رہا تھا ریڈیو پر گیت زور و شور سے
”آپ دل کی انجمن میں حسن بن کر آ گئے“

تجھ کو کیا سوچ کے ٹالا ہے مجھے کیا معلوم ؟
وہ ترا چاہنے والا ہے مجھے کیا معلوم ؟

اس کے چہرے پہ تو میک اپ کی تہیں رہتی ہیں
یار گورا ہے کہ کالا ہے مجھے کیا معلوم ؟

کس طرح ڈاکہ زنی کر گیا حسنِ کافر
دل کے دروازے پہ تالا ہے مجھے کیا معلوم ؟

لے اُڑی کون سی کلمونہی ترے شوہر کو
فوزیہ ہے کہ غزالہ ہے مجھے کیا معلوم ؟

کس طرح اُس کی محبت کی خبر ہو پائے
وہ تو بولا ہے نہ چالا ہے مجھے کیا معلوم ؟

خان صاحب کی سفارش کا ہے میرٹ حاصل
کتنا موزوں میرا لالہ ہے مجھے کیا معلوم ؟

کاغذات اُس کے کلرکوں کو نہیں ملتے تھے
کام کس طور نکالا ہے مجھے کیا معلوم ؟

میری بیوی میری کیا لگتی ہے میں کیا جانوں؟
کوئی کیسے میرا سالا ہے مجھے کیا معلوم ؟

چڑھ گیا عقد کی سولی پہ میں چپ چاپ ظفر
کن گناہوں کا ازالہ ہے مجھے کیا معلوم ؟

محوِ حیرت ہوں

جو کام بھی بُرا ہے

اِن کا کیا دھرا ہے

یا رب ولن ہیں اُردو فلموں کے یا ہماری پچھلی حکومتیں ہیں

(بہادر شاہ ظفر کی غزل کی پیروڈی)

کہوں کیا رنگ رشوت کا اہا ہا ہا' اہا ہا ہا
مٹا منتوں میں ہر ٹنٹا اہا ہا ہا' اہا ہا ہا
نمک چھڑکے ہے وہ کس کس مزے سے میرے زخموں پر
ہے کیسا یار امریکا اہا ہا ہا' اہا ہا ہا
خدا معلوم ہمت کس قدر ہے میرے کانوں میں
لب بیگم ہوئی گویا اہا ہا ہا' اہا ہا ہا
میں موبائل میں اور بیگم میں سمجھوں فرق کیا آخر
ہیں دونوں ہی نرا خرچا اہا ہا ہا' اہا ہا ہا
مری صورت پرستی بیوقوفی ہے' اگر مانوں
ہے سب اعجاز میک کا اہا ہا ہا' اہا ہا ہا
ظفر عالم کہوں کیا میں گل افشانی الفت کا
کہ ہے ہر روز ہی پھڈا اہا ہا ہا' اہا ہا ہا

ماہیے شاہیے

ہر میلے کی شوقن ہے
اپنی محبت بھی
ہر روٹ کی ویگن ہے

ہوہ

لیڈر نہیں بن سکتا
لے کے اگر قرضہ
ڈیفالٹ نہیں کرتا

ہوہ

کچھ بھی ہو وفا کا فیٹ
وے نہ کہہ دینا
میں ہوں ترا کینڈیڈیٹ

ہوہ

کیا بات میلینیم کی
ملتِ بیضا بھی
لنگڑاتی ہوئی پہنچی

غیر کو گردونواح قلب و جان رکھا گیا
اور ہم کو دیکھئے کتنا پراں رکھا گیا

دیکھ کر میموں کو دل یونہی دھڑکتا تو نہیں
میں کہاں کا فرد ہوں مجھ کو کہاں رکھا گیا

جوڑ میرا کس کڑی سے باندھ رکھا ہے خدا!
میں وہاں پر کیوں نہیں اُس کو جہاں رکھا گیا

کیا سماں پیدا کیا مس کہکشاں کی یاد نے
نام میرے دل کا اکثر کہکشاں رکھا گیا

عاشقوں کو ڈھیٹ پن کی خوب ڈوزیں دیں گئیں
جاوداں، پیہم رواں ہر دم جواں رکھا گیا

سینکتے ہیں گھیر کر ہڈیاں رقیبِ روسیاہ
ہائے کس کوچے میں تیرا آستاں رکھا گیا

میں نظر وٹو تھا تیرے حسن کی سرکار میں
میرا قصہ بہرِ زیبِ داستان رکھا گیا

ہاتھ پیلے کرلئے موٹی اسامی دیکھ کر
اور روحوں کے ملن کو لامکان رکھا گیا

آپ چاہیں تو دکھا دوں گا محبت کا ثبوت
فون کے بل کو بھی یادوں کا نشان رکھا گیا

جی یہ شادی کارڈ ہے میرے ہی یارِ غار کا
ایک بھارو کو تہِ تیغِ فساں رکھا گیا

بات کرتی ہے تو لگتی ہے کمنٹیٹر ظفرؔ
جس کے گھر میں مردوے کو بے زبان رکھا گیا

اخبار

کس نے کہا بہ دیدۂ بیدار پڑھو

خرچہ کر کے روزانہ بیکار پڑھو

جان کے بھی یہ بات

یکساں ہیں اثرات

ہارر مووی دیکھو یا اخبار پڑھو

ہر سمت غریبوں کو، ٹھینگا نظر آتا ہے
ناخن ہیں اسی کے جو گنجا نظر آتا ہے

ہم منہ سے بھی ڈز کر دیں تو دنیا دہل جائے
کیوں سب کو مسلمان سے خطرہ نظر آتا ہے

جب دیکھئے صاحب کی بس ناک پہ ہی رکھا
چشمہ نظر آتا ہے، غصہ نظر آتا ہے

ہم یونہی نہیں ملتے اس ماڈ حسینہ سے
اس عشق میں کھیسے کا پڑا نظر آتا ہے

جس فیتے سے قد ناپیں، جس رخ سے نظرڈالیں
ہر دیو سیاست کا بونا نظر آتا ہے

صورت پہ نہیں جانا' وہ مینا ہے خاصا
اتنا بھی نہیں سادہ جتنا نظر آتا ہے

ہم آپ تو کہتے ہیں' انسان کا بچے ہیں
پولیس کو ہر بندہ مرغا نظر آتا ہے

وہ حسن کا ساغر تو لبریز ہے شبنم سے
وہ عشق مگر توبہ شعلہ نظر آتا ہے

جب سے تری شادی کی تقریب سے آیا ہوں
ہر بھیگا ہوا الو ' دولہا نظر آتا ہے

اردو کی گرامر پہ جب خان لڑھکتے ہیں
طوطا نظر آتی ہے' مینا نظر آتا ہے

معدوں سے ہی اٹھتی ہیں اقدار کی تحریکیں
باقی تو ہے جو کچھ بھی نخرہ نظر آتا ہے

عاشق کو حسیں اپنی انگلی پہ نچاتے ہیں
سو ناچ بھی تگنی کا بھنگڑا نظر آتا ہے

یوں ہیر کی فرقت نے تنکی سا بنا ڈالا
رانجھے کو تو ناصح بھی کھیڑا نظر آتا ہے

کالی کو تو میک اپ نے میڈونا بنا ڈالا
کالا تو ہمیشہ سے کالا نظر آتا ہے

لو دور ہوا چاہتا ہے شکوہ نہ ملنے کا
لاحول نہ پڑھئے تو بندہ نظر آتا ہے

یوں موبائل فون بھتیرے پکڑے پھرتے ہیں
جیسے بٹیرے باز بٹیرے پکڑے پھرتے ہیں

لہرانے کو علم نہیں ہے کسی بھی ماٹو کا
لالہ جی دھوتی کے پھریرے پکڑے پھرتے ہیں

ہر مچھلی سیکیورٹی سسٹم باندھ کے نکلی ہے
کب سے خالی جال مچھیرے پکڑے پھرتے ہیں

--- ق ---

کس نے آگ لگا رکھی ہے دہشت گردی کی
کس کو اس دنیا کے وڈیرے پکڑے پھرتے ہیں

جان بچاتے پھرتے ہیں بیچارے کن کھجورے
سانپ ہیں عنقا اور سپیرے پکڑے پھرتے ہیں

ایک ہمیں بے لفٹے ٹھہرے ورنہ یار سبھی
اپنے اپنے نین بسیرے پکڑے پھرتے ہیں

پڑھے لکھوں کو دفتر دفتر ٹھینگے ملتے ہیں
کام مگر دن رات لٹیرے پکڑے پھرتے ہیں

بہرِ جاب منسٹر سے کیا پرچی لینے جائیں
وہ خود اپنے گاے شیرے پکڑے پھرتے ہیں

شمعِ حُسن جلی ہے تو پروانہ تو آئے گا
روز مجھے کیوں ابا تیرے پکڑے پھرتے ہیں

سرکاری دفتر ہے اور ہے شوقِ شعروبیت
ہم یہ ڈڈو شام سویرے پکڑے پھرتے ہیں

آج سنایا ہو گا ظفرؔ نے پھر سے سہ غزلہ
سرکو یار بہت سے میرے پکڑے پھرتے ہیں

بڑھکیں خُوب لگا لیتے ہو ماشاء اللہ

تم پنجاب کے چیف منسٹر بن سکتے ہو

جو مینیجر پر ملے ہیں اُن سلاموں کو سلام
میری شامت کے سنہرے انتظاموں کو سلام

پار کر لیتے ہیں جو ہر ایک فائروال کو
حسن کے اُن 'ہیکروں' کو بے لگاموں کو سلام

آپ نے جن پر اڑنگی دے کے پٹخا ہے ہمیں
پیار کی راہوں کے اُن دو چار گاموں کو سلام

اب ہمیں خوش آئے کیسے یہ ازم یا وہ ازم
دُور سے چوسے ہوئے اُن سارے آموں کو سلام

کچھ تو ناکامیِ الفت نے نئے رشتے دیے
پودِ خوباں تیرے سب نوخیز ماموں کو سلام

ہم نے تو گویا کسی کی بھینس ہے کھولی ہوئی
آپ کی سرکار کے سب نیک ناموں کو سلام

ہم نہیں مرتے کسی اِسکرٹ یا پتلون پر
اِن غراروں پر نچھاور، اِن پاجاموں کو سلام

آپ ہم جن کو سیاستدان کہتے آئے ہیں
ملتِ بیضا کے اِن سارے حجاموں کو سلام

اِک ذرا خود کو بچا لیجے گا اِن کے فیض سے
دُور سے اِن شاعروں کو (خوش کلاموں) کو سلام

پاسِ وفا کا مانؔ ارے!
گود میں ہے مہمان ارے!

زلفیں بودے عنقا ہیں
عشق تھا یا طوفان ارے!

میری ساس اور خونی توبہ!!
منہ میں ہو گا پان ارے!

اپنی بیگم کو دیکھو
ساڑھی اور اک تھان ارے

ڈر جاتا ہے کتوں سے
نام دلاور خان ارے!

بیگم ہو یا قسمت ہو!!!
کھینچ رہی ہے کان ارے

''آن دی پیپر'' وہ کچھ ہیں
بول اُٹھے جاپان ''ارے!''

نام سے دھوکہ مت کھانا
کنگلے ہیں سلطان ارے!

سب سمجھے اسمارٹ مجھے
جب سے ہوا یرقان ارے!

بہرہ

سخن نا آشنا ہوتا ہے بہرہ
کہ اس لذت سے بے بہرہ ہے بہرہ
مگر مطلب کی باتیں
کبھی جو اِن سے کردیں
کہی و ان کہی سنتا ہے بہرہ

شاواپاکستان

اپنے جوتے اپنے سر کا عجب نظارا پاکستان
اپنے ہاتھوں بنا ہوا ہے ایک تماشہ پاکستان
نیٹو کی بمباری کا ترجیحی خطہ۔۔۔ پاکستان
نیٹو کو ہتھیاروں کی سپلائی کا ذریعہ پاکستان

علامت

امریکہ کی منشا ہے
پاکستان میں مرد نہ ہوں
آپ بھی داڑھی رکھتے ہیں
آپ بھی دہشت گرد نہ ہوں

ریزگاری

اپنا چشمہ تو کھو چکا ہے ظفر
"کس کی آنکھوں سے خواب دیکھیں ہم"

بات کرتے ہو کیا سیاست کی
اس پہ گونگا بھی بول سکتا ہے

ملک سارا کھا کے بھی لیڈر معزز ہیں ظفر
مولوی نے کھا لیا حلوہ تو رولا پے گیا!

یہ جان سکتے نہیں بیسویں گریڈ بھی
"فقیر جس قدر آسودگی سے جیتے ہیں"

چھچلی چھینٹی کس کے دھیان میں رہتی ہے
"اِک خواہش تو ہر انسان میں رہتی ہے"

بتائیں خود کشانِ حسن ہم کو
"ہمارے جسم کا ملبہ کہاں ہے"

جو چینل نشتوں پہ زن زن چلے
سدا اینکرِ زن "بے دلیلے" رہے

کسے گمان ہے سرالیوں کے بارے میں
"نہ جانے کب کوئی کس راستے سے آ جائے"

وہ خبر غالباً خبر بھی نہ تھی
نیوز چینل سے جو بریک ہوئی

پھر الیکشن کے ترانے سائیں
"پھر وہی روگ پرانے سائیں"

لوڈشیڈنگ ہے کس کی نیت میں
"روشنی کو پتہ نہیں ہوتا"

بو آئے مرے نطق سے یا میری بغل سے
"احباب پریشاں ہیں مرے طرزِ عمل سے"

ازدواجی کنویں کے ''ڈڈو'' سُن !
''فکرِ انساں کو مسئلے ہیں بہت''

وفا کو پاسِ ناموسِ سماج و عشق رہتا ہے
ہوس ٹھہرا نہیں کرتی کسی سگنل کی بتی پر

ڈنڈا تو اِک شاگردوں کو علم سکھانے کا ہے آلہ
جس کے ہاتھ میں ڈنڈا نہ ہو وہ اُستاد کہاں لگتا ہے

ہزاروں بار اُٹھے ہیں ہزاروں بار بیٹھے ہیں
''یونہی بیکار اُٹھے ہیں یونہی بیکار بیٹھے ہیں''

شکوہ سنج ہیں مرے سر کے گومڑ
''کیوں ترا راہگذر یاد آیا''

اپنے ماتھے کا نوشتہ دیکھتا کوئی نہیں
میری داڑھی کا مگر تنکا نظر آئے بہت

تجوریاں یونہی بھرتا ہے عمر بھر انساں
فرشتے موت کے رشوت نہیں لیا کرتے

باتوں باتوں میں یہ کیا بات کہی باتونی!
اب تو ہر بات میں اس بات کی باتیں ہوں گی

دکھاتے ہو کسے تم شانِ زیبائی ذرا سوچو!!
مری نظریں نہ ہوتیں تو تمہارا حسن کیا ہوتا

کچھ اور ناز سے چل جانِ جاں کہ تیرے قدم
زمین پر نہیں پڑتے دلوں پہ پڑتے ہیں

اے وطن خیر سے اب قوم کا لیڈر ہوں مگر
میں بھی شامل تھا کبھی تیرے بہی خوہوں میں

دانشوری کا اس سے بڑا کیا ثبوت ہے
سر ہو گیا ہے سندھ کے میدان کی طرح

نادان چاہتا ہے کہ میرا بیاہ ہو
دیکھے مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

اُس کے اندازِ بیاں کی خوبیاں مت پوچھیے
کوسنے دلی کے ہیں اور گالیاں چکوال کی

جب بھی جاتے ہیں کہیں زہرہ جمالوں میں ہم
انگلیاں پھیر کے رہ جاتے ہیں بالوں میں ہم

آپ کی دولت سے دنیا کیوں رہے نا آشنا
کار ہے تو بیٹھ کر انجن کو "گھوں گھوں" کیجیے

استاد سے بھی بڑھ گیا شاگردِ ارجمند
شیطان مجھ کو دیکھ کے حیران رہ گیا

نقاد بن گیا کہ خاصا مشاہدہ تھا
کتنی ہی بار کتوں کو بھونکتے سنا تھا

شاعر کی دیگر کتب
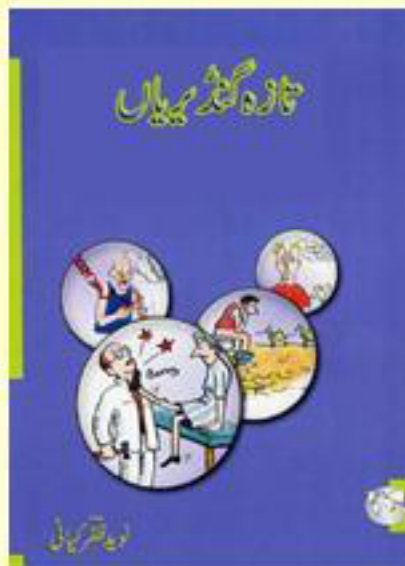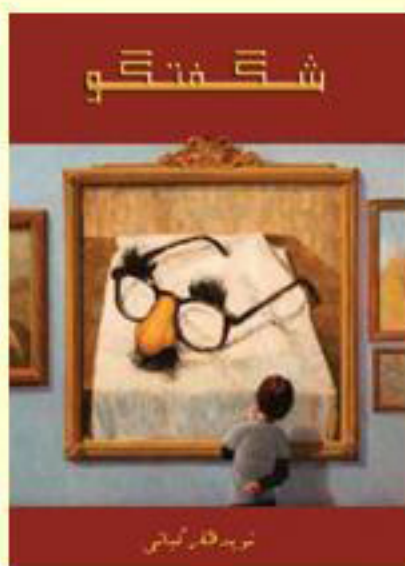
جلد متوقع ہیں ۔۔۔۔ انتظار فرمائیے

http://fb/nzkiani

http:/naveedzafarkiani/wordpress.com